تحقیقی مجلہ ارمغانِ سرحد
pISSN: 3079-904X
eISSN: 3079-9058
جلد ۲، شمارہ ۲، جولائی تا دسمبر ۲۰۲۵ء (Vol:2, Issue:2, 2025) (Research Journal: Armaghan-e-Sarhad)
شعبہ اردو، سرحد یونیورسٹی آف سائنس اینڈ انفارمیشن ٹیکنالوجی، پشاور

A Comparative Critical Analysis of the Concept of the Rival in the Poetry of Ghalib and Faiz

غالبؔ اور فیضؔ کے تصورِ رقیب کا تقابلی و تنقیدی جائزہ

شازیہ انجم

ایسوسی ایٹ پروفیسر اردو، گورنمنٹ گرلز ڈگری کالج گلشن رحمان کوہاٹ روڈ پشاور

Shazia Anjum,

Associate Professor Urdu, Government Girls Degree College Gulshan Rehman Kohat Road

Peshawar

Abstract:

This study explores the concept of the *Raqeeb* (rival) in the poetry of Mirza Ghalib and Faiz Ahmed Faiz, examining its evolution from classical to modern Urdu poetry. Ghalib, a nineteenth-century poet, represents the classical tradition, combining wit, personal sensitivity, and subtle humanism within a socio-political context marked by the decline of the Mughal Empire and the 1857 rebellion. Faiz, writing nearly half a century later, emerged under progressive and socialist influences, advocating social justice and humanistic ideals. Despite the temporal gap, Faiz exhibits a deep intellectual and stylistic engagement with Ghalib, borrowing metaphors, symbols, and even titles of his works while reinterpreting them in light of contemporary political and social struggles. The study highlights how both poets depict the *Raqeeb* not merely as a romantic adversary but as a complex symbol reflecting societal, emotional, and ethical dimensions. While Ghalib often approaches the rival with suspicion tempered by human empathy, Faiz extends this concept, transforming the rival into a political and emotional metaphor that embodies solidarity, shared grief, and humanistic values.

Keywords: Mirza Ghalib, Faiz Ahmed Faiz, Raqeeb (Rival), Urdu Poetry, Classical and Progressive Literary Traditions

مرزا غالبؔ اُنیسویں صدی میں اُردو شاعری کی ایک توانا آواز ہے جب کہ دوسری طرف فیضؔ کا شمار بیسویں صدی کے اُن شعراء میں ہوتا ہے جنھوں نے ترقی پسندوں کے جھنڈے تلے معاشرے کے پسے ہوئے طبقے کے حقوق کے لیے آواز اُٹھائی۔ مرزا غالبؔ اور فیضؔ کے درمیان تقریباً پون صدی کا فاصلہ ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ زمانہ بھی بدلا اور اقدار اور روایات بھی بدلی۔ قدامت کی جگہ جدیدیت نے لے لی، لیکن کلاسیکیت نے اپنی اہمیت ہمیشہ قائم رکھی۔ غالبؔ کلاسیکی دور کے ایک ایسے شاعر ہیں جن کا کلام وقت کی گرد میں گم ہونے کے بجائے مزید اُبھر کر سامنے آیا۔ اُن کے بعد آنے والے دور کے ہر شاعر نے نہ صرف اُن کی عظمت کا اعتراف کیا بلکہ اُن کا تتبع بھی کیا۔ فیضؔ نے

بھی غالؔب کی صلاحیتوں کا اکثر و بیشتر اعتراف کیا اُن کو مرزا غالؔب سے خصوصی لگاؤ تھا۔ وہ غالؔب کی آفاقی شاعری سے بہت متاثر تھے جس کا ثبوت یہ ہے کہ اُن کی اکثر و بیشتر کتابوں کے نام غالب کے کلام سے لیے گئے ہیں۔ فیضؔ کی پہلی کتاب "نقشِ فریادی" کا نام دیوانِ غالب کی پہلی غزل کے مطلع سے لیا گیا ہے۔ غالؔب کا شعر ہے:

نقش فریادی ہے کس کی شوخی تحریر کا
کاغذی ہے پیراہن ہر پیکرِ تصویر کا [1]

سحر انصاری اس سلسلے میں لکھتے ہیں:

"نقشِ فریادی کی ترکیب اِس امر کی غمازی کرتی ہے کہ فیضؔ کو غالؔب سے کس قدر گہرا ربط ہے۔ غالؔب کے دیوان کے پہلے شعر کے پہلے دو لفظوں کو گویا فیضؔ نے اپنے عہد کے انسان کی سماجی اور داخلی کشمکش اور جبر کا استعارہ بنا دیا ہے"[2]

اِسی طرح اُن کی ایک اور کتاب "دستِ تہہِ سنگ" کا نام بھی غالؔب کے ایک مصرع سے لیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں غالؔب کا شعر دیکھئے:

مجبوری و دعوی گرفتاری الفت
دست تہہِ سنگ آمدہ پیمانِ وفا ہے[3]

نہ صرف یہ بلکہ فیضؔ نے اپنی ایک نظم کے آخری شعر میں غالؔب کے مندرجہ بالا شعر کی تضمین بھی کی ہے[4] فیضؔ کی کلیات "نسخہ ہائے وفا" کا نام بھی غالؔب کے ایک مصرع پر مشتمل ہے۔ غالؔب کا شعر ملاحظہ ہو:

تالیف نسخہ ہائے وفا کر رہا تھا میں
مجموعہ خیال ابھی فرد فرد تھا [5]

غالؔب سے اپنے اِس لگاؤ کا اعتراف فیضؔ نے اپنے ایک انٹرویو میں خود کیا ہے۔ مختار زمن صاحب نے غالؔب کی برسی کے موقع پر روزنامہ ڈان کی جانب سے فیضؔ صاحب سے ایک انٹرویو لیا تھا جس میں مرزا غالؔب کے بارے میں پوچھے گئے ایک سوال کے جواب میں فیضؔ نے فرمایا:

"دیوانِ غالؔب کا ایک نُسخہ ہمیشہ میرے سرہانے رہتا ہے۔ میں اکثر بلکہ بعض حالات میں روزانہ اُس کا مطالعہ کرتا رہتا ہوں۔۔۔۔۔۔ میں اپنی شاعری میں اُسے شعوری اور غیر شعوری طور پر استعمال کرتا ہوں۔"[6]

اِس انٹرویو میں فیضؔ صاحب خود اعتراف کر رہے ہیں کہ اُنھوں نے غالب سے شاعری میں شعوری اور لاشعوری دونوں طرح سے اکتساب لیا ہے۔ فیضؔ کو مرزا غالؔب سے جو لگاؤ تھا اس کا ایک اور ثبوت "ادارہ یادگارِ غالؔب" کا قیام بھی ہے۔

یہ ادارہ فیضؔ نے اپنے دیگر ساتھیوں کے ساتھ مل کر 1968ء میں قائم کیا تھا۔ اس ادارے کے زیرِ نگرانی ایک لائبریری بھی قائم کی گئی تھی جس کے لیے فیضؔ صاحب نے اپنی جیب سے اچھی خاصی رقم بھی عطیہ کی تھی۔ اس ادارے کے تحت ہر سال تقریبات کا انعقاد کیا جاتا تھا1969ء میں غالبؔ کی صد سالہ تقریبات کا اہتمام بھی اسی ادارے کے تحت کیا گیا۔[7] فیض فکری لحاظ سے غالبؔ سے زیادہ قریب ہیں۔ فیضؔ نے اپنے بہت سے مضامین اور تقاریر میں غالب سے عقیدت کا اظہار کیا ہے۔ فیضؔ نے غالبؔ کی فکری عناصر کی وضاحت کے لیے ایک مضمون "غالبؔ کے تخیل کے بنیادی عناصر" کے نام سے لکھا ہے۔ یہ مضمون 1944ء میں ترقی پسندوں کے رسالے "نیا ادب" کے تیسرے شمارے میں شائع ہوا[8] اِس مضمون میں فیضؔ نے نہایت باریک بینی سے غالبؔ کے اشعار کے حوالے دے کر اُن کے غم، اُداسی اور روشن خیالی پر بات کی ہے۔ وہ غالبؔ کے ماحول اور اُس دور کے سیاسی اور سماجی حالات کو اپنے دور اور ماحول کے ساتھ بڑی خوبصورتی سے جوڑتے ہیں۔ فیضؔ کے مطابق غالبؔ کے دور کی نسل دوراہے پر کھڑی تھی۔ پُرانی طرزِ زندگی کا صدیوں پرُانا نظام ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھا اور نئے نظام کی تعمیر ابھی نہیں ہوئی تھی۔ اُن کے خیال میں اُن کا زمانہ بھی ایسے ہی حالات سے دوچار ہے اِس کے علاوہ فیضؔ نے غالبؔ کی غزل "مدت ہوئی ہے یار کو مہماں کیے ہوئے" کا مکمل تجزیہ ایک مضمون کی صورت میں تحریر کیا اس مضمون میں فیضؔ نے غالبؔ کی اِس غزل کے ہر ہر مصرعے کی مکمل وضاحت کی ہے۔ اِس مضمون میں فیضؔ غالبؔ کی اِس غزل کے بارے میں کہتے ہیں کہ غالبؔ دوستوں کے بچھڑ جانے اور اور محفلوں کے درہم برہم ہو جانے کے غم سے دوچار تھے۔ وہ دوستوں کے ساتھ پھر سے پُرانی محفلیں جمانے کے خواہش مند تھے ۔ یہ مضمون فیض نے جولائی 1973ء میں ایک جلسے میں پڑھا اور اُس کے بعد یہ مضمون ہندوستان آج کل میں فروری 1974ء میں چھپا[9]۔ اِن مضامین کے علاوہ بھی فیضؔ نے اپنی بہت ساری تقاریر میں غالبؔ کی شاعری پر اظہارِ خیال کیا ۔ فیض نے غالب کے تفکر کی وضاحت کے لیے ایک ڈرامہ "غالب اور زندگی کا فلسفہ" کے نام سے لکھا۔ یہ ڈرامہ فیض کی تنقیدی مضامین کی کتاب میزان میں موجود ہے[9] فیضؔ نے اِس ڈرامے میں کرداروں کی زبانی غالب کے فکر و فن پر تبصرہ کیا ہے اور اُن کے فلسفہ شاعری کی وضاحت کی ہے۔

غالبؔ سے اس درجہ لگاؤ کا یہ احساس صرف فیضؔ کے غالبؔ پر لکھے گئے مضامین اور فیض کی کتابوں کے نام تک محدود نہیں بلکہ اُن کے کچھ اشعار میں بھی ہمیں غالب کی جھلک نظر آتی ہے۔ جب ہم کلامِ فیض کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں جا بجا یہ احساس ہوتا ہے کہ فیضؔ نے غالبؔ کا اثر قبول کیا ہے کچھ مقامات پر تو یہ اثر واضح اور شعوری دکھائی دیتا ہے اور کچھ مقامات پر غیر شعوری اور ڈھکے چھُپے انداز میں۔ مثال کے طور پر فیضؔ کا یہ شعر دیکھے

اپنی نظریں بکھیر دے ساقی
مے با اندازہ خمار نہیں (11)

فیضؔ کے مندرجہ بالا شعر میں مرزا غالبؔ کے درج ذیل شعر کا رنگ نظر آتا ہے۔

دیتے ہیں جنت حیاتِ دہر کے بدلے
نشہ با اندازہ خمار نہیں ہے (12)

فیضؔ کے ابتدائی دور کی شاعری پر غالبؔ اور اقبال کا اثر زیادہ معلوم ہوتا ہے۔ جہاں وہ غالب کی طرح فارسی الفاظ و تراکیب کا زیادہ استعمال کرتے ہیں۔ اور اُن کی فکر پر بھی غالبؔ کے اثرات نظر آتے ہیں۔ اُن کے ابتدائی دور کے کلام میں پرانے رنگ کے اشعار ملتے ہیں جس میں روایتی انداز نمایاں ہے۔ مثال کے لیے یہ چند اشعار دیکھے جن میں غالبؔ کا رنگ نظر آتا ہے۔

فریبِ آرزو کی سہل انگاری نہیں جاتی
ہم اپنے دل کی دھڑکن کو تیری آوازِ پا سمجھے (13)
منتِ چارہ ساز کون کرے
درد جب جاں نواز ہو جائے (14)

اِسی طرح فیضؔ کی مشہورِ زمانہ نظم "مجُھ سے پہلی سی محبت میرے محبوب نہ مانگ" کا ایک مصرع ہے

"اور بھی دکھ ہیں زمانے میں محبت کے سوا" (15)

اسی طرح کا ایک مصرع ہمیں غالبؔ کے ہاں بھی ملتا ہے غالب کا مصرع ہے

"تیرے سوا بھی ہم پہ بہت سے ستم ہوئے" (16)

دونوں مصرعوں کو پڑھ کر یہ احساس ہوتا ہے کہ فیضؔ نے غالبؔ سے استفادہ کیا ہے۔

مرزا غالبؔ کے فن کے اعتراف میں فیضؔ نے اُن کی طرز میں ایک نظم "نذرِ غالبؔ" بھی لکھی ہے (17) اس نظم میں اُنھوں نے غالبؔ کا انداز اپنا کر اُن کو خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔

مرزا غالبؔ ایک جاگیر دارانہ پس منظر سے تعلق رکھتے تھے۔ اُنھوں نے ایک مخصوص ماحول میں آنکھ کھولی تھی سیاسی لحاظ سے یہ عہدِ مغلیہ کا آخری زمانہ تھا۔ بہادر شاہ ظفر کی حکمرانی دہلی کے لال قلعہ تک محدود تھی۔ بادشاہ خود انگریزوں کا وظیفہ خوار تھا لہذا وہ عوام کو کیا حقوق دلاتا۔ ہندوستانی سماج اُس وقت عبوری دور سے گزر رہا تھا۔ صدیوں کی پُرانی

اقدار دم توڑ رہی تھی اور اُس کی جگہ نیا معاشرہ جنم لے رہا تھا جس کے خدوخال ابھی واضح نہ تھے۔ معاشرے میں ہر طرف ایک گومگوں اور کشمکش کی کیفیت طاری تھی۔ غالؔب کی شاعری میں بھی یہ ساری کیفیت سمٹ آئی تھی۔ لیکن اُنھوں نے اپنے آپ کو مکمل طور پر اس کیفیت کے حوالے نہیں کیا۔ اُن کے اندر کی توانائی اور اُن کی شخصیت کی مضبوطی نے ان کے اندر کی افسردگی کو طنز و مزاح میں بدل لیا اُنھوں نے کبھی حالات کے ہاتھوں ہار نہیں مانی اور شاید اس کی ایک وجہ سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید کی تحریکِ جہاد بھی تھی، جو اُس وقت پورے جوش و جذبے سے جاری تھی۔ غالؔب ذہنی طور پر اس تحریک سے متاثر تھے خواجہ منظور حسین اس حوالے سے لکھتے ہیں کہ غالب سید احمد شہید کے بہت قریب تھے اور اُن سے بڑی عقیدت رکھتے تھے اور ان کے توسط سے وہ سید اسماعیل شہید سے بھی ملے تھے وہ اس تحریک جہاد سے شدید متاثر تھے وہ اس کی طرف کھچ کھچ کے رک جاتے تھے کیوں کہ اول تو عملی طور پر ایسی کسی تحریک میں شرکت کرنا اُن کے بس کی بات نہ تھی دوم ان کے دوست مولوی فضلِ حق کی مخالفت کے باعث بھی یہ ممکن نہ ہو سکا لیکن بقول خواجہ منظور حسین کے کلام غالؔب میں اس تحریک سے ربط ضبط کا ذکر سات پردوں میں کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں وہ ثبوت کے طور پر جو اشعار پیش کرتے ہیں اُن میں ایک شعر ملاحظہ کریں:

لکھتے رہے جنوں کی حکایت خون چکاں
ہر چند اس میں ہاتھ ہمارے لہو ہوئے

مندرجہ بالا شعر اور اس طرح کے بہت سے اشعار کے ذریعے وہ یہ ثابت کرتے ہیں کہ کلامِ غالب میں تحریکِ جہاد سے جذباتی وابستگی اور حمایت میں کافی اشعار موجود ہیں۔[18] تحریکِ جہاد کی ناکامی اور اس کے نتیجے میں سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید کی شہادت کا واقعہ اور پھر اس کے بعد 1857ء کی ناکام جنگِ آزادی اور اس کے نتیجے میں دہلی شہر کی تباہی و بربادی اور مرزا کے دوستوں اور اقرباء کا تتر بتر ہونا ان سب واقعات نے غالؔب پر گہرا اثر ڈالا جن کا واضح اظہار اُن کے خطوط سے ہوتا ہے۔ اِن سارے حالات کا اگر فیضؔ کے حالات سے تقابل کیا جائے تو فیضؔ کو بھی کچھ ایسے ہی حالات کا سامنا رہا جہاں غالب تحریکِ جہاد سے جذباتی وابستگی رکھتے تھے وہاں فیض بھی ترقی پسند تحریک سے وابستہ تھے اُنھوں نے بھی تحریکِ آزادی اور اس کے بعد کا دور دیکھا تھا جس کا واضح ذکر اُن کی شاعری میں موجود ہے۔ یہ ایک عجیب اتفاق ہے کہ غالب کو بھی اسیری کا سامنا کرنا پڑا اگرچہ وہ ذاتی وجوہات کی بدولت تھا اور فیضؔ کو بھی سیاسی اور نظریاتی اختلافات کی وجہ سے قید و بند کی صحبتوں کو برداشت کرنا پڑا۔ لیکن یہاں اس بات کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے کہ تحریکِ جہاد اور تحریکِ آزادی کے حوالے سے غالب ایک کشمکش اور ذہنی اُلجھن کا شکار نظر آتے ہیں جب کہ ترقی پسند تحریک اور

اشتراکی نظریات کے حوالے سے فیضؔ کا ذہین بالکل واضح اور صاف ہے۔ وہ ثابت قدمی سے آخر تک اپنے نظریات پر قائم رہتے ہیں بلکہ وقت کے ساتھ ساتھ اِس میں مزید پختگی بھی آتی ہے۔ اِس کی ایک وجہ شاید یہ بھی ہے کہ فیضؔ اور غالبؔ کے درمیان تقریباً پون صدی کا فرق ہے اس دوران حالات بہت بدل چکے تھے۔ فیضؔ کے پاس غالبؔ کی طرح ماضی کی حسین یادیں نہیں تھی ان کے پاس ماضی اور حال دونوں کی تاریک یادیں تھی اسی لیے اُن کے کلام میں اپنے دور کی سیاسی اور سماجی حالات کی بڑی واضح عکاسی ملتی ہے غالبؔ کے کلام میں اُس دور کی جہادی تحریک سے ذاتی لگاؤ کے اشارے ملتے ہیں تو فیض کی شاعری میں اشتراکی نظریات کے بڑے واضح اشارات ہیں۔ فیضؔ نے اپنے دور کی تلخ حقیقتوں کے خلاف کہیں کہیں کھل کر واضح اظہار کیا ہے تو اُن کے ہاں اکثر مقامات ایسے بھی ہیں جہاں پر اُنھوں نے غالبؔ کا سا انداز اپنایا ہے اور اُن کی طرح اشاروں کنایوں میں علامات اور استعارات کی زبان میں اپنا مافی الضمیر بیان کیا ہے۔ سیاسی مجبوریوں کی وجہ سے فیضؔ کے لیے یہ اور بھی ضروری ہو گیا تھا کہ وہ غالبؔ کی طرح ایمائی انداز اختیار کریں۔ جانے پہچانے استعارات اور علامت کے استعمال کی وجہ سے فیضؔ کے لیے یہ آسانی پیدا ہو گئی کہ وہ قاری کے ساتھ آسانی سے اپنا ذہنی رابطہ بنا سکے فیضؔ کا یہ کمال ہے کہ اُنھوں نے پرانی علامات کو نئے مفاہیم دیئے جس کی بناء پر قاری اُن کی بات بھی سمجھ گیا اور وہ گرفت سے بھی محفوظ رہے۔ ڈاکٹر آفتاب احمد اسی سلسلے میں اپنے ایک مضمون میں کہتے ہیں:

> "فیض کا ذہنی خمیر اُس مٹی سے اُٹھایا گیا تھا جس سے حافظؔ و سعدیؔ، میرؔ و سوداؔ اور غالبؔ و اقبالؔ بنے تھے چنانچہ فیض کی شاعری پر سب شعراء کی صداؤں کی گونج سنائے دیتی ہے۔۔۔۔۔۔ہاں اگر اس آواز کے پردوں میں کسی کی جھلک نمایاں طور پر آتی ہے تو غالب کی۔ فیض نے ترکیب سازی اور تصویر کشی میں استعارات اور علامات کے ایمائی اور پہلو دار استعمال میں وہی انداز اپنایا ہے جو غالب کی غزل کی جان ہے یہ بات ہمارے جدید شعراء میں سے کسی اور شاعر کے بارے میں اِس عنوان سے نہیں کہی جا سکتی "(19)

ڈاکٹر آفتاب صاحب کے مندرجہ بالا بیان کو اگر سامنے رکھا جائے تو پھر یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ جدید شعراء میں جو شاعر ذہنی اور فکری طور پر غالبؔ کے زیادہ قریب ہیں۔ وہ فیض ہیں۔ غالب اپنے دور کا کس قدر سیاسی شعور رکھتے تھے یہ بات اُن کی شاعری میں تو وضاحت کے ساتھ سامنے نہیں آتی لیکن اُن کے خطوط اُن کے سیاسی شعور کا واضح ثبوت ہیں۔ اِن خطوط کے ذریعے غالبؔ ہمیں لمحہ بہ لمحہ دہلی کے اُجڑنے کی داستان سناتا ہے۔ دہلی شہر پر انگریز سپاہیوں کا قبضہ، اہلِ شہر پر طرح طرح کی پابندیاں عائد کرنا، شہر میں داخلے پر ٹکٹ مقرر کرنا، اہلِ شہر کو پھانسیوں پر لٹکانا، قید کرنا، شہر بدر کرنا

اور اُن کی جائیدادیں ضبط کرنا، پکی سڑک بنانے کی لیے شہر کی یادگار عمارتیں مسمار کرنا، یہ سب غالؔب کے لیے کسی المیے سے کم نہ تھا۔ اُن کی تحریر سے اُن کے گہرے دکھ اور کرب کا احساس ہوتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ اُن کا گہرا سیاسی اور سماجی شعور بھی کھل کر سامنے آتا ہے۔ اگرچہ کلامِ غالب میں ہمیں اس سیاسی شعور کی بازگشت سنائی نہیں دیتی لیکن اُن کے کلام میں بعض ایسے الفاظ اور تراکیب کا استعمال ضرور ہوا ہے جو بعد میں آنے والے شعراء کے لیے سیاسی علامات اور استعاروں کی صورت میں ڈھل گئے۔ اِن الفاظ میں رہزن، خوں چکاں، رہبر، صیاد، جنوں اور خنجر وغیرہ شامل ہیں۔ نہ صرف سیاسی بلکہ سماجی معاملات میں بھی غالؔب خاصے باشعور نظر آتے ہیں۔ گویا فیضؔ کی فکر جس سماجی اور سیاسی شعور میں پروان چڑھی غالب اپنے دور میں اُس سے کافی حد تک آگاہ تھے لیکن اُنھوں نے فیض کی طرح واضح طور پر اُس کا اظہار اپنے کلام میں نہیں کیا غالؔب اور فیضؔ میں ایک اور قدرِ مشترک بقولِ ڈاکٹر وزیر آغا دونوں کی آزادہ روی اور آوارہ خرامی ہے۔ وہ کہتے ہیں:

"غالؔب کی زندگی میں نقل مکانی اور شاعری میں آوارہ خرامی کافی الفور احساس ہوتا ہے
اور یہی احساس فیضؔ کی حیات اور کلام کے مطالعے سے ہوتا ہے"(20)

غالؔب کی زندگی کی یہ نقل مکانی آگرہ سے دہلی تک اور پھر اُن کی بے قرار روح کبھی رام پور کبھی میرٹھ اور کبھی کلکتہ میں پھرتی رہی روح کی بے چینی کا یہ سفر صرف شہروں تک محدود نہیں رہا بلکہ وہ دہلی شہر میں بھی ٹھکانے تبدیل کرتے رہے، شعبان بیگ کی حویلی سے کالے میاں کی حویلی وہاں سے حکیم محمد حسن خان کی حویلی اور پھر آخر مکان بلی ماراں میں محلہ قاسم جان کے موڑ پر حکیم محمود خان مرحوم کے دیوان خانے سے متصل مسجد کے عقب میں تھا۔ اور پھر اِسی مکان سے ابدی ٹھکانے کی طرف عازمِ سفر ہوئے(21) اگر غالؔب کے زمانے میں آج کل کی طرح سفری سہولتیں میسر ہوتی اور اُن کے وسائل اجازت دیتے تو آوارہ خرامی کی یہ فہرست یقیناً بڑی طویل ہوتی۔ غالؔب کی پیروی میں تو نہیں لیکن فیضؔ کی طبیعت کی بے قراری اور کچھ حالات کی وجہ سے وہ بھی مستقل حرکت میں رہے کبھی لندن، کبھی ماسکو اور کبھی ہندوستان اور بیروت۔ اِس کے علاوہ اگر دونوں کے شعری اسلوب کی بات کی جائے تو غالؔب اور فیضؔ دونوں کے ابتدائی کلام میں فارسی الفاظ اور تراکیب کی بھرمار نظر آتی ہے تاہم غالؔب کے ابتدائی کلام میں ان فارسی الفاظ و تراکیب سے ایک پیچیدگی نظر آتی ہے جس کی وجہ سے اُس کو سمجھنا نسبتاً مشکل ہے لیکن فیضؔ کے ہاں اِن کے استعمال میں ایک نفاست اور نرمی کا احساس ہوتا ہے۔ جہاں تک رقیب کی بات ہے تو وہاں بھی دونوں شعراء کے کلام میں بہت سے ایسے موڑ آتے ہیں جہاں اِن کے راستے ایک ہوتے دکھائی دیتے ہیں۔ اُردو کے تقریباً ہر شاعر کی طرح مرزا غالؔب اور فیضؔ بھی محبوب سے

گلہ مند ہیں کہ وہ سچے عاشق کی قدر نہیں کرتا جب کہ دوسری طرف ہوس پرستوں پر اُس کا لطف و کرم ہمیشہ جاری رہتا ہے غالبؔ اس مضمون کو کچھ اِس طرح باندھتے ہیں۔ شعر ملاحظہ ہو:

تمھاری طرزِ روش جانتے ہیں ہم کیا ہے
رقیب پر ہے اگر لطف تو ستم کیا ہے[22]

غالبؔ محبوب سے شکوہ کر رہے ہیں کہ میں تمھاری عادت سے خوب واقف ہوں تم ہمیں ستانے کے لیے نئے نئے حربے آزماتے ہو رقیب پر تمھارا لطف و کرم اِسی لیے ہے کہ تم ہمیں پریشان کر سکو بھلا کسی عاشق کے لیے اِس سے بڑا ستم کیا ہو گا کہ محبوب اُسے نظر انداز کر کے رقیب پر مہربانی کرے۔ کچھ ایسا ہی شکوہ فیضؔ نے بھی اپنے محبوب سے کیا ہے۔ فیضؔ کا یہ شعر دیکھئے

برس رہی ہے حریمِ ہوس میں دولتِ حسن
گدائے عشق کے کاسے میں اِک نظر بھی نہیں[23]

فیضؔ کا محبوب بھی غالب کے محبوب کی طرح عاشق کو چھوڑ کر ہوس پرست رقیب پر مہربان ہے۔ اسی طرح کا مشترکہ خیال ہمیں غالبؔ اور فیضؔ کے ایک اور شعر میں بھی نظر آتا ہے۔ غالبؔ کہتے ہیں:

ہم کو اُن سے وفا کی ہے اُمید
جو نہیں جانتے وفا کیا ہے [24]

جب کہ فیضؔ کہتے ہیں:

فیض اُن کو تقاضائے وفا ہم سے جنھیں
آشنا کے نام سے پیارا ہے بیگانے کا نام[25]

مندرجہ بالا دونوں اشعار میں مضمون اور الفاظ کی مماثلت واضح ہے طنز کی کاٹ بھی دونوں اشعار میں بڑی لطیف ہے محبوب کو آئینہ دکھایا جا رہا ہے کہ ہمیں الزام دینے کے بجائے پہلے اپنی اداؤں پر غور کرو تم خود تو رقیب پر مہربانیاں کرتے ہو لیکن ہمیں بے وفا کہتے ہو ان اشعار میں ایک ایسا عاشق نظر آتا ہے جسے اپنی خودداری اور عزت نفس کا پورا خیال ہے۔ اور جو آدابِ عشق کے تقاضے نبھانے جانتا ہے لیکن وہ اپنے خودداری اور انا کا بھی احساس رکھتا ہے اور محبوب کے سامنے اپنے حق کے لیے کھڑا ہو سکتا ہے۔ یہاں فیض غالب کی خوشہ چینی کرتے نظر آتے ہیں۔

اُردو شاعری میں رقیب کو ہمیشہ بُرا بھلا کہا گیا اور اُس سے نفرت کا اظہار کیا گیا۔ عاشق نے رقیب کو ہمیشہ اپنے سب مسائل کا ذمہ دار ٹھہرایا اسی وجہ سے اُس سے نفرت کی گئی لیکن فیض نے اپنی نظم "رقیب سے" کے ذریعے اِس تصور کو بدل دیا

۔اُنھوں نے رقیب کو اپنا دوست اور غم گُسار بنا کر محبوب کی یادیں تازہ کی۔ کیوں کہ اُن کا خیال ہے کہ رقیب ہی وہ واحد ہستی ہے جو محبوب کے لیے اُن کے جذبات کو سمجھ سکتا ہے اور جدائی کے غم کو اُس طرح محسوس کر سکتا ہے۔ جس طرح فیض محسوس کرتے ہیں رقیب کے لیے فیض کی یہ سوچ انسان دوستی اور انسانیت کی ایک عمدہ مثال ہے لیکن کیا ایسا پہلی مرتبہ ہوا ہے کہ کسی نے رقیب کو انسان سمجھا اور اُس کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا یقیناً ایسا نہیں ہے جب ہم مرزا غالب کا کلام پڑتے ہیں تو ہمیں اُن کے ہاں پہلی مرتبہ رقیب کے بارے میں ایک نرم گوشہ نظر آتا ہے۔ غالؔب جہاں رقیب کو ہمیشہ بُرا بھلا کہتے ہیں وہاں وہ اُسے معاف کرنے پر بھی تیار نظر آتے ہیں۔ جب نامہ بر اُن کے سامنے رقیب کے روپ میں آتا ہے تو اُس کی یہ خطا بشر سمجھ کر معاف کر دیتے ہیں۔ اس سلسلے میں یہ شعر ملاحظہ کیجیے:

دیا ہے دل اگر اُس کو بشر ہے کیا کہیے
ہُوا رقیب تو ہو نامہ بر ہے کیا کہیے (26)

اِس شعر میں غالؔب کسی نفسیات دان کے روپ میں نظر آتے ہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے وہ انسانی نفسیات کے باریک ترین پہلوؤں سے آشنا ہیں۔ اس لیے وہ نامہ بر کے رقیب بننے پر اُسے اپنے قہر و غصب کا نشانہ بنانے کے بجائے اُس سے ہمدردی محسوس کرتے ہیں۔ اور اُسے انسان سمجھ کر معاف کر دیتے ہیں۔ کیوں کہ وہ خود اِن راہوں کے مسافر ہیں۔ عشق میں دل پر جو گزرتی ہے وہ اُس سے خوب واقف ہیں۔ اسی لیے اپنے حالات کو سامنے رکھ کر وہ نامہ بر کے احساسات کو اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ غالب کے اِس شعر میں انسان دوستی اور انسانیت نظر آ رہی ہے۔ غالب یہاں اپنی ذات اور اپنی انا سے اوُپر اُٹھ کر سوچ رہے ہیں۔ اِسی طرح محبت کے جذبات میں رقیب کے ساتھ اشتراک کا جو خیال فیض نے اپنی نظم "رقیب سے" میں پیش کیا وہ بھی یوں لگتا ہے کہ غالؔب کے اس شعر سے متاثر ہو کر تخلیق کیا گیا ہے۔ شعر دیکھیے:

تا کرے نہ غمازی، کر لیا ہے دشمن کو
دوست کی شکایت میں ہم نے ہم زباں اپنا(27)

رقیب کے بارے میں ایسا خیال اور ایسی سوچ پہلی مرتبہ غالؔب کے ہاں ہی سامنے آئی ہے اور پھر فیضؔ نے غالؔب کے نقشِ قدم کی پیروی کرتے ہوئے اس خیال کو مزید دو قدم آگے بڑھ کر پیش کیا غالؔب کے کلام میں ایک پوری غزل رقیب کی اس غم خواری اور ہمدردی پر لکھی گئی ہے غزل کے چند اشعار ملاحظہ ہوں

غیر یوں کرتا ہے میری پُرسش اُس کے ہجر میں
بے تکلف دوست ہو جیسے کوئی غم خوار دوست

تا کہ میں جانوں کہ ہے اُس کی رسائی واں تلک
مجھ کو دیتا ہے پیامِ وعدہ دیدارِ دوست
چپکے چپکے مجھ کو روتے دیکھ پاتا ہے اگر
ہنس کے کرتا ہے بیاں شوخیِ گفتارِ دوست (28)

لیکن یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ غالبؔ رقیب کی غم گُساری کو شک کی نگاہ سے دیکھ رہے ہیں اُنھیں رقیب کی نیت پر شک ہے لیکن وہ ایسا سمجھنے میں حق بجانب ہیں کیوں کہ اُن کے لاشعور میں اُردو اور فارسی غزل کی طویل تاریخ ہے ۔جہاں رقیب ہمیشہ دھوکے باز اور فسادی رہا ہے اس لیے وہ ماضی کو مدّ نظر رکھ رقیب پر اعتبار نہیں کرتے۔ لیکن فیضؔ کے ساتھ معاملہ قدرے الگ ہے۔ اشتراکی نظریات اور ترقی پسندانہ خیالات کی وجہ سے اُن کے نزدیک انسان اور انسانیت کی زیادہ اہمیت ہے اور شاید اسی وجہ سے وہ انسان دوستی کے جذبات میں اتنا آگے نکل گئے جہاں رقیب دشمن اور مخالف ہونے کے باوجود ایک انسان بھی ہے۔ ایک ایسا انسان جس کے ساتھ وہ اپنا سب کچھ بانٹ سکتے ہیں یہاں تک کہ اپنے محبت بھرے جذبات بھی۔ فیض جب نظم "رقیب سے" کے ایک بند میں رقیب سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ تو نے بھی وہ پیشانی وہ رخسار وہ ہونٹ دیکھے ہیں جس کے تصور میں ہم نے زندگی لُٹادی ہے۔ تو فیضؔ جانتے ہیں کہ رقیب اُن کے عشق کے ہر احساس میں اُن کے ساتھ شریک ہے۔ اور رقیب کے ساتھ احساسات کی یہ شرکت اُن کے ہاں رقیب کے لیے قبولیت اور یک جہتی کے جذبات پیدا کرتی ہے۔ شاید محبت کا یہ اشتراک ترقی پسندی کی دین ہے لیکن ہم فیضؔ پر غالبؔ کے اثرات کو بھی نظر انداز نہیں کر سکتے۔ شاید اِس کی وجہ دیوانِ غالبؔ کا وہ نسخہ ہے جو فیضؔ کے سرہانے پڑا ہوتا تھا دونوں شعراء کے ہاں رقیب کے وجود کے بارے میں قبولیت کے اثرات کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ غالبؔ اور فیضؔ دونوں وسیع المشرب شاعر ہیں دونوں انسانیت کے علمبردار ہیں اور تنگ نظری سے کوسوں دور بھاگتے ہیں۔ اسی لیے انسان دوستی اور انسانیت کا پرچار کرتے ہیں یہی انسان دوستی اور انسانیت کا جذبہ رقیب کے حوالے سے بھی مشترکہ ہے۔

مرزا غالبؔ کے ہاں رقابت کے متعدد پہلو ہیں۔ کبھی اُن کے اندازِ بیاں سے متاثر ہو کر اُن کا رازداں اُن کا رقیب بن جاتا ہے تو کبھی نامہ بر رقیب کے روپ میں سامنے آتا ہے اور کبھی وہ خود اپنی ذات میں رشک اور رقابت کا شکار ہو جاتے ہیں بالکل اِسی طرح فیضؔ کے ہاں بھی رقابت کے بہت سے زاویے ہیں۔ وہ اِس رقابت کو استعمار دشمنی کے لیے بطورِ علامت استعمال کرتے ہیں۔ غالبؔ نے اُردو غزل میں جو ایمائی انداز اپنایا اور اپنی بات کہنے کے لیے علامات اور استعارات کی جو زبان ایجاد کی اُس کا اثر فیضؔ کے ہاں بھی نظر آتا ہے۔ فیض رقیب، عدو، مدعی اور غیر کو وطن دشمن عناصر، ظالم و جابر

حکمران، عوام کے حقوق کو غصب کرنے والا مفاد پرست ٹولہ طاقت ور عناصر اور استعمار کے لیے بطورِ علامت استعمال کرتے ہیں۔ اُنھوں نے اپنی ایک گفتگو میں خود تسلیم کیا ہے کہ جس زمانے میں آزادی اظہار پر پابندی تھی اُس زمانے میں اُنھوں نے شعوری طور پر کلاسیکی غزل کے قدیم علائم اور استعاروں کو نئے مفاہیم کے ساتھ استعمال کیا اور اُس کی افادیت کو جانا۔ کیوں کہ بقولِ فیض اِس کا ایک فائدہ تو یہ ہے کہ اس کے ذریعے آپ وہ بات بڑی آسانی سے کہہ دیتے ہیں جو بات آپ چُھپا کر کرنا چاہتے ہیں اور دوسرا فائدہ یہ کہ آپ پر گرفت بھی نہیں ہو سکتی۔[29] اسی مقصد کو لیکر فیضؔ نے رقیب ،عدو اور اغیار وغیرہ جیسے الفاظ کو اپنے سیاسی نظریات بیان کرنے کے لیے استعمال کیا۔

اگر مرزا غالبؔ اور فیض احمد فیضؔ کی شخصیت کو دیکھا جائے تو اُن میں خاصا تضاد ہے۔ غالبؔ کی شخصیت میں شوخی و ظرافت، انانیت اور خودداری ہے۔ جب کہ دوسری طرف فیضؔ شرمیلے اور سنجیدہ مزاج ہیں۔ لیکن اس کے باوجود غالبؔ کے نئے خیالات، انوکھے مضامین اور اُن کا انداز فیضؔ کو متاثر کرتا ہے۔ دونوں رجائیت کے شاعر ہیں۔ حالات کتنے ہی نامہرباں کیوں نہ ہوں دونوں مایوس نہیں ہوتے اور نہ ہی قنوطیت اور یاسیت کا شکار ہوتے ہیں مثال کے لیے ذیل کے اشعار دیکھیے۔

(فیضؔ)

گر آج تجھ سے جدا ہیں تو کل بہم ہونگے
یہ رات بھر کی جدائی تو کوئی بات نہیں
گر آج اوج پہ ہے طالع رقیب تو کیا
یہ چار دن کی خدائی تو کوئی بات نہیں [30]

(غالبؔ)

اِن آبلوں سے پاوں کے گھبرا گیا تھا میں
جی خوش ہوا ہے راہ کو پُرخار دیکھ کر[31]

لُدمیلا داسی لیوا ایک روسی ادیبہ اور دانشور ہیں۔ یہ روس میں فیضؔ کی مترجم بھی تھی وہ فیضؔ اور غالبؔ کے حوالے سے لکھتی ہیں۔

"فیضؔ کی تخلیقات کلامِ غالب سے بنیادی طور پر پیوست ہیں۔ اور ساتھ ہی ساتھ اِس سے بہت مختلف بھی۔ اپنے نظریۂ حیات کی توضیح کرتے ہوئے فیض اکثر غالبؔ کی طرف رجوع ہوتے تھے۔ غالب سے مستعار لیے ہوئے استعاروں کو فیضؔ کے کلام میں ایک نیا آہنگ ملتا ہے۔"[32]

رقیب کے کردار کے حوالے سے فیضؔ نے غالبؔ کے خیالات سے کسی حد تک استفادہ ضرور کیا ہے لیکن جہاں تک رقیب کے بطورِ سیاسی علامت استعمال کی بات ہے یہ فیضؔ کی اپنی اختراح ہے یہاں اُنھوں نے قدیم کلاسیکی شعراء جن میں غالبؔ بھی شامل ہے سے استعارے اور علامات مستعار ضرور لی ہیں لیکن اُن کے نئے مفہوم اور بطورِ سیاسی تلازمات کا استعمال فیضؔ کے اختراحی ذہین کی پیداوار ہے۔ رقیب کا کردار اُردو کلاسیکی شاعری کا اہم کردار ہے اور تقریباً ہر غزل گو شاعر کے ہاں یہ کردار نظر آتا ہے۔ کلاسیکی غزل میں رقیب کو غیر معمولی اہمیت حاصل تھی۔ لیکن پھر جیسے جیسے پُرانی روایات کی جگہ نئی موضوعات نے لے لی تو یہ کردار آہستہ آہستہ فراموش کر دیا گیا۔ کیوں کہ جدید شاعری میں ایک شاعر کے پاس موضوعات کی کوئی کمی نہ تھی پھر جدیدیت اور اشتراکیت جیسی تحاریک نے موضوعات کو مزید وسعت دے دی۔ اِس کے علاوہ آج کل کا دور جس کو مابعد جدید دور کہا جاتا ہے اس دور میں ہر چیز کو مادی نقطہ نظر اور اس کے افادی پہلو سے دیکھا جاتا ہے اس لیے انسانی جذبات و احساسات کی اہمیت ختم ہو گئی ہے اور اس کی جگہ زندگی کے دیگر معاملات شاعری کا موضوع قرار دیئے جا چکے ہیں سو ایسی صورتِ حال میں رقیب کا کردار نسبتاً غیر متعلق ہو گیا تھا اور جدید شاعری میں اِس کی گنجائش نظر نہیں آتی تھی۔ اگر جدید شعراء کا مطالعہ کیا جائے جیسے اختر شیرانی، ناصرؔ کاظمی، منیرؔ نیازی، ن۔م راشد اور مجیدؔ امجد وغیرہ تو اکثر کے ہاں رقیب کا ذکر موجود ہی نہیں اور اگر کہیں پر ہے بھی تو خال خال ذکر ملتا ہے جو نہ ہونے کے برابر ہے لیکن جدید شعراء میں فیضؔ ایک ایسے شاعر ہیں جنھوں نے اِس فراموش شدہ کردار کو پھر سے زندہ کر دیا۔ اگرچہ فیضؔ کے ہاں بھی رقیب کا ذکر بطورِ روایتی کردار بہت کم ہے لیکن اُنھوں نے اس کردار کو بطورِ سیاسی علامت کے استعمال کر کے اس کے تنِ مردہ میں جان ڈال دی ہے۔ اِس کے علاوہ اسے اپنی محبت کے جذبات میں شریک کر کے اپنا رفیق اور غم گسار ساتھی بنا کر اس کی قلبِ ماہیت کر دی اور اِس کو زندہ جاوید بنا دیا۔

حوالہ جات

1. غالبؔ، اسد اللہ خان، "دیوانِ غالب" فروری 2019ء، اسلام آباد، نیشنل بک فاونڈیشن ص 7
2. سحر انصاری مضمون "نقشِ فریادی ایک مطالعہ" مشمولہ "متاعِ لوح و قلم" مصنف فیض احمد فیض مرتبہ ظفر الحسن، مارچ 1983ء کراچی، مکتبہ دانیال ص 351

3. غالب، اسد اللہ خان، "دیوانِ غالب" فروری 2019ء، اسلام آباد، نیشنل بک فاونڈیشن ص 219
4. فیض، فیض احمد "دست تہہ سنگ" نسخہ ہائے وفا" لاہور، مکتبہ کاروان ص 22
5. غالب، اسد اللہ خان، "دیوانِ غالب" فروری 2019ء، اسلام آباد، نیشنل بک فاونڈیشن ص 12
6. فیض، فیض احمد "متاعِ لوح و قلم" مرتبہ مرزا ظفر الحسن، مارچ 1983ء، کراچی، مکتبہ دانیال ص 138
7. ایضاً، ص 360
8. علی احمد فاطمی "فیض ایک نیا مطالعہ" طبع اول جنوری 2012ء الہ آباد، ادارہ نیا سفر ص 62
9. ایضاً، ص 62
10. فیض، فیض احمد، ڈرامہ "غالب اور زندگی کا فلسفہ" مشمولہ "میزان" بار دوم 2002ء مغربی بنگال، اُردو اکیڈمی ص 134
11. فیض، فیض احمد "نقشِ فریادی" نسخہ ہائے وفا، لاہور مکتبہ کاروان، ص 18
12. غالب، اسد اللہ خان، "دیوانِ غالب" فروری 2019ء، اسلام آباد، نیشنل بک فاونڈیشن ص 169
13. فیض، فیض احمد "نقشِ فریادی" نسخہ ہائے وفا، لاہور مکتبہ کاروان، ص 29
14. ایضاً، ص 22
15. ایضاً، ص 55
16. ایضاً، ص 165
17. فیض، فیض احمد "دستِ صبا" نسخہ ہائے وفا، لاہور، مکتبہ کاروان ص 79
18. منظور حسین خواجہ "تحریک جدوجہد، بطورِ موضوعِ سخن" فروری 1978ء لاہور، نیشنل بک فاونڈیشن ص 391
19. آفتاب احمد، ڈاکٹر مضمون "فیض اور غالب" مشمولہ رسالہ نقوش شمارہ نمبر 132 جون 1985ء لاہور، مدیر محمد طفیل، ادارہ فروغِ اُردو، ص 410
20. وزیر آغا، ڈاکٹر، مضمون "غالب اور فیض" مشمولہ رسالہ ماہِ نو" شمارہ نمبر 005 مئی جون، 2008ء لاہور، ادارہ مطبوعاتِ طلبہ لاہور، ص 263

21. امیر حسن نورانی "غالب کی زندگی" بار اوّل مئی 1969ء دہلی، آزاد کتاب گھر، کلاں محل ص20
22. غالب، اسد اللہ خان، "دیوانِ غالب" فروری 2019ء، اسلام آباد، نیشنل بک فاونڈیشن ص210
23. فیض، فیض احمد "نقشِ فریادی" نسخہ ہائے وفا، لاہور مکتبہ کاروان، ص61
24. غالب، اسد اللہ خان، "دیوانِ غالب" فروری 2019ء، اسلام آباد، نیشنل بک فاونڈیشن ص160
25. فیض، فیض احمد "دستِ صبا" نسخہ ہائے وفا، لاہور مکتبہ کاروان، ص56
26. ایضاً، ص195
27. ایضاً، ص48
28. ایضاً، ص57
29. طاہر تونسوی، ڈاکٹر "فیض سے ایک بات چیت" مشمولہ "فیض کی تخلیقی شخصیت، تنقیدی مطالعہ "1989ء لاہور، سنگِ میل پبلیکیشنز ص305
30. فیض، فیض احمد "دستِ صبا" نسخہ ہائے وفا، لاہور مکتبہ کاروان، ص67
31. غالب، اسد اللہ خان، "دیوانِ غالب" فروری 2019ء، اسلام آباد، نیشنل بک فاونڈیشن ص66
32. علی احمد فاطمی "فیض ایک نیا مطالعہ" جلدِ اوّل، جنوری 2012ء الہ آباد، ادارہ نیا سفر ص82

References:

1. Ghalib, Asadullah Khan. *Diwan-e-Ghalib*. Islamabad: National Book Foundation, February 2019, p. 7.
2. Sahar Ansari. “Naqsh-e-Faryadi: Ek Mutala.” In *Mata‘-e-Lauh o Qalam*, edited by Faiz Ahmed Faiz, compiled by Zafar-ul-Hasan. Karachi: Maktaba Daniyal, March 1983, p. 351.
3. Ghalib, Asadullah Khan. *Diwan-e-Ghalib*. Islamabad: National Book Foundation, February 2019, p. 219.
4. Faiz, Faiz Ahmed. *Dast-e-Haye-Sang*. Lahore: Maktaba Karwan, p. 22.
5. Ghalib, Asadullah Khan. *Diwan-e-Ghalib*. Islamabad: National Book Foundation, February 2019, p. 12.
6. Faiz, Faiz Ahmed. *Mata‘-e-Lauh o Qalam*, compiled by Mirza Zafar-ul-Hasan. Karachi: Maktaba Daniyal, March 1983, p. 138.

7. Ibid., p. 360.
8. Ali Ahmad Fatimi. *Faiz: Ek Naya Mutala*. First edition. Allahabad: Idara Naya Safar, January 2012, p. 62.
9. Ibid., p. 62.
10. Faiz, Faiz Ahmed. “Ghalib aur Zindagi ka Falsafa.” In *Mizan*, 2nd edition. West Bengal: Urdu Academy, 2002, p. 134.
11. Faiz, Faiz Ahmed. *Naqsh-e-Faryadi*. Lahore: Maktaba Karwan, p. 18.
12. Ghalib, Asadullah Khan. *Diwan-e-Ghalib*. Islamabad: National Book Foundation, February 2019, p. 169.
13. Faiz, Faiz Ahmed. *Naqsh-e-Faryadi*. Lahore: Maktaba Karwan, p. 29.
14. Ibid., p. 22.
15. Ibid., p. 55.
16. Ibid., p. 165.
17. Faiz, Faiz Ahmed. *Dast-e-Saba*. Lahore: Maktaba Karwan, p. 79.
18. Manzoor Hussain Khawaja. *Tehreek-e-Jidd-o-Jahad, Bator-e-Mauzu‘-e-Sukhan*. Lahore: National Book Foundation, February 1978, p. 391.
19. Aftab Ahmad, Dr. “Faiz aur Ghalib.” In *Nuqoosh*, issue no. 132. Lahore: Idara Farogh-e-Urdu, June 1985, edited by Muhammad Tufail, p. 410.
20. Wazir Agha, Dr. “Ghalib aur Faiz.” In *Mah-e-No*, issue no. 005, May–June 2008. Lahore: Idara Matbu‘at-e-Talaba, p. 263.
21. Ameer Hasan Nurani. *Ghalib Ki Zindagi*. First edition. Delhi: Azad Kitab Ghar, May 1969, p. 20.
22. Ghalib, Asadullah Khan. *Diwan-e-Ghalib*. Islamabad: National Book Foundation, February 2019, p. 210.
23. Faiz, Faiz Ahmed. *Naqsh-e-Faryadi*. Lahore: Maktaba Karwan, p. 61.
24. Ghalib, Asadullah Khan. *Diwan-e-Ghalib*. Islamabad: National Book Foundation, February 2019, p. 160.
25. Faiz, Faiz Ahmed. *Dast-e-Saba*. Lahore: Maktaba Karwan, p. 56.
26. Ibid., p. 195.
27. Ibid., p. 48.
28. Ibid., p. 57.

29. Tahir Toonsvi, Dr. “Faiz Se Ek Baat Cheet.” In *Faiz Ki Takhleeqi Shakhsiyat: Tanqeedi Mutala*, Lahore: Sang-e-Meel Publications, 1989, p. 305.

30. Faiz, Faiz Ahmed. *Dast-e-Saba*. Lahore: Maktaba Karwan, p. 67.

31. Ghalib, Asadullah Khan. *Diwan-e-Ghalib*. Islamabad: National Book Foundation, February 2019, p. 66.

32. Ali Ahmad Fatimi. *Faiz: Ek Naya Mutala*, Vol. 1. Allahabad: Idara Naya Safar, January 2012, p. 82.